اتحاد کا صحیح مفہوم اور فقہی اختلاف میں اعتدال کی راہ

از: مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی
حیدرآباد

اسلام کامل ومکمل دین ہے، یہ رہتی دنیا تک ساری انسانیت کی رہنمائی ورہبری کا عظیم فریضہ انجام دینے کے لیے آیا ہے، انسانی زندگی سے متعلق تمام گوشوں میں اس کی جامع ہدایات اور رہنمایانہ خطوط موجود ہیں، حیاتِ انسانی کے کسی بھی پہلو سے اسلام نے بے توجہی نہیں برتی ہے، اور نہ ہی اس نے انسانی زندگی کے کسی گوشہ کو تشنہ اور ناتمام رہنے دیا ہے، یہ اس قدر جامع اور مکمل دین ہے کہ نہ اب اس میں کسی قسم کی کمی اور نقص کی گنجائش موجود ہے اور نہ یہ کسی طرح کی زیادتی اور اضافے کا متحمل ہوسکتا ہے، اس کے قانونِ الٰہی اور دستورِ خداوندی ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس میں ہر زمانے کے تغیرات کو قبول کرنے، ہر قسم کے مسائل وحوادث سے نمٹنے اور ہر طرح کی دینی، معاشی، معاشرتی اور سماجی الجھنوں کا بدرجۂ اتم حل پیش کرنے کی صلاحیت موجود ہے، نہ انسانی ترقی کا اس کی بلندیوں کے اوجِ کمال کو چھولینا اور اس کے نتیجے میں نت نئے مسائل کا پیدا ہونا، اس کی ہمہ جہتی وہمہ گیری پر اثر انداز ہوسکتا ہے، اور نہ ہی گردشِ دوراں، انقلاباتِ زمانہ اور وقائع وحوادث کا تسلسل اس کی جامعیت کے لیے اثر انداز ہوسکتا ہے، اس کا اصل منبع اور سرچشمہ قرآن وحدیث ہیں اور یہ دونوں وحی الٰہی سے ماخوذ ہیں، شریعت کے ہر حکم کی دلیل کسی نہ کسی درجہ میں ان دونوں کے اندر موجود ہوتی ہے؛ بلکہ فقہاء کے تمام اصولِ تخریج اور قواعدِ استنباط واستخراج بھی دراصل انھیں سے ماخوذ ہیں؛ اس لیے بلا جھجک اور دوٹوک انداز میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ فقہاء کے تمام اجتہادات واستنباطات اور ان کا کامل فقہی ذخیرہ بھی دراصل شریعت کا قیمتی سرمایہ اور دین کا لازمی جزء ہے۔

فقہی اختلاف محمود ومطلوب ہے

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ شریعت کی اصولی اور بنیادی تعلیمات بالکل واضح اور دوٹوک ہیں، اس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور جھول نہیں پایا جاتا، جن میں توحید ورسالت کا اقرار، عقائد اور امورِ آخرت سے متعلق چیزیں اور دین کی وہ بنیادی باتیں شامل ہیں جو قطعی دلائل سے ثابت ہیں، ان امور کا انکار یا ان سے سرِمو انحراف بسا اوقات انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کرکے کفر وشرک کے حدود میں داخل کردیتا ہے، یہ منصوص احکام کہلاتے ہیں، بعض دوسرے احکامات وہ ہیں جو شریعت کی جزوی تفصیلات اور فقہاء کی تحقیقات وتدقیقات سے تعلق رکھتے ہیں جنھیں شریعت کی اصطلاح میں ''امورِ مجتہد فیہا'' کہا جاتا ہے، یہ غیر منصوص احکام کہلاتے ہیں، ان فروعی مسائل میں فقہاء کے مابین اختلاف ہوا ہے، اگر اس طرح کا علمی وفقہی اختلاف کسی مستند ومعتبر دلیل پر مبنی ہو تو یہ بجائے خود محمود ومطلوب ہے اور شریعت کا ایک حصہ ہے۔

فقہاء کے درمیان ان جزوی مسائل میں اختلاف اس وجہ سے واقع ہوا کہ شریعت نے اپنے بڑے حصہ میں جزوی اور متعینہ احکام دینے کے بجائے محض اصولی ہدایات دی ہیں؛ تاکہ ہر دور کے حالات اور ضروریات اور عرف ورواج کے مطابق عمل کی مختلف شکلیں وجود میں آسکیں اور اس نے اپنے احکام میں ایسی کشائش وگنجائش رکھی ہے کہ ایک ہی عمل کو مختلف شکل میں انجام دیا جاسکے اور امت ضرورت کے وقت عمل کی جس شکل کو چاہے اختیار کرے، یہ اس طرح ہوا ہے کہ شریعت نے ایک حکم کو بتانے کے لیے کبھی ایسے لفظ کا استعمال کیا ہے جو مختلف معانی کا محتمل ہوتا ہے، جس میں ہر مجتہد اپنی فہم کی بنیاد پر ایک معنی متعین کرتا ہے، معانی کے اس اختلاف سے عمل کی مختلف شکلیں وجود میں آتی ہیں، اس طرح سے فقہاء کے مابین نقطۂ نظر کا اختلاف ہوجاتا ہے، کبھی یوں ہوتا ہے کہ حکم تو نص میں صراحت کے ساتھ موجود ہوتا ہے، اس کے تعلق سے ائمہ کے درمیان اتفاق بھی پایا جاتا ہے؛ البتہ اس حکم کے سبب اور علت کی تلاش وجستجو میں ہر فقیہ نے دلائل وشواہد کی روشنی میں الگ راہ اپنائی ہوتی ہے۔

چنانچہ سبب کے اختلاف سے پیش آمدہ مسائل کے حل میں فقہاء کے درمیان اختلافِ رائے ہوجاتا ہے، کبھی یوں ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک کام مختلف طریقے سے انجام دیا ہے، جس راوی نے اس کام کا جو طریقہ مشاہدہ کیا ہے، اس نے اس کو نقل کیا ہے، پھر بعد کے دور میں اپنے

مذہب اور مسلک کی بنیاد بنایا ہے، کبھی یوں ہوا ہے کہ حضور ﷺ کا ایک عمل دو رِاول کا ہوتا ہے، پھر آئندہ چل کر حضورِ اکرم ﷺ کے اس عمل میں تبدیلی آچکی ہوتی ہے؛ لیکن فقیہ کو متعین طور پر یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ حضور اکرم ﷺ کا کونسا عمل دو رِاول کا ہے یعنی منسوخ ہے اور کونسا عمل بعد کا ہے یعنی ناسخ ہے۔ ہر فقیہ فہم واجتہاد اور قواعد وضوابط کی روشنی میں ایک عمل کو دو رِاول کا قرار دے کر اس کو اپنے لیے معمول بہ بناتا ہے، کبھی یوں ہوتا ہے کہ ہر فقیہ کے یہاں روایات میں ترجیح کے معیارات مختلف ہوتے ہیں، ایک فقیہ اپنے نقطۂ نظر سے ایک روایت کو راجح قرار دیتا ہے اور دوسری کو مرجوح؛ جب کہ دوسرے فقیہ نے اپنے معیار کے مطابق دوسری روایت کو ترجیح دی ہوتی ہے، اس طرح سے مذاہب کا اختلاف رونما ہوتا ہے۔

ان عملی اسباب کی بنیاد پر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ فقہاء کے مابین یہ اختلاف تقاضائے شریعت کے عین مطابق ہے اور چونکہ یہ اختلاف واجتہاد، اخلاص وللّٰہیت، تلاشِ حق، منشائے خداوندی کو سمجھنے اور مرادِ نبوی کی حقیقت کو جاننے کے لیے ہوا ہے؛ اس لیے اس اختلاف کو مذموم اور برا نہیں کہا جاسکتا، اگر منشائے خداوندی یہ ہوتا کہ فقہاء کے مابین اس قسم کا اختلاف بالکل رونما نہ ہو تو اللہ عزوجل ان جزوی مسائل کو بھی انھیں قطعی دلائل کے ساتھ نازل فرماتے اور ان کے تعلق سے بھی روایات اسی تواتر وتسلسل کے ساتھ وارد ہوتیں جیسا کہ شریعت کے بنیادی امور اور دین کے ضروری احکام قطعی دلائل اور متواتر روایات کے ضمن میں بیان کیے گئے ہیں؛ بلکہ شریعت نے خود یہ چاہا ہے کہ ائمہ کے درمیان جزوی مسائل میں اس طرح کا اختلاف رونما ہو، زمانے کے حالات وضروریات اور اس کے بدلتے تقاضوں کے مطابق اس عمل کو مختلف طریقے سے انجام دیا جاسکے اور مختلف مذاہب ومسالک کی شکل میں حضور ﷺ کی متفرق سنتیں اور طریقے زندہ ہوں اور سماج ومعاشرے میں رواج پائیں، تنگی کے وقت سہولت کا باعث بنیں، اس سے معلوم ہوا کہ راستی اور درستگی کو پانے کے لیے اجتہاد اور غور وتدبر کے نتیجے میں جو اختلاف رونما ہوتا ہے، یہ اختلاف قابلِ مذمت نہیں ہوتا، خود صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی حضور ﷺ کے حینِ حیات احکام ومسائل میں دو پہلوؤں کی گنجائش تھی، ہر شخص نے اپنی فہم وبصیرت کی بنیاد پر ایک پہلو کو متعین کرکے اس پر عمل کیا ہے، حضور ﷺ نے کسی بھی عمل کو رد نہیں فرمایا ہے۔

چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوقریظہ کے واقعہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے یوں فرمایا: ”لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا فِي بَنِي

قُرَیْظَۃَ'' تم میں سے کوئی شخص نمازِ عصر بنی قریظہ کے علاوہ کہیں نہ پڑھے، راستے میں صحابہ ؓ نے دیکھا کہ وہاں جاتے جاتے عصر کا وقت نکل جائے گا تو صحابہ ؓ میں دو جماعتیں ہوگئیں۔ ایک جماعت نے ظاہرِ الفاظ پر عمل کرتے ہوئے راستہ میں عصر کی نماز پڑھنے سے انکار کردیا اور وہیں پہنچ کر نمازِ عصر ادا کی؛ جب کہ دوسری جماعت نے یہ کہا کہ حضور ﷺ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے اس قدر عجلت سے جاؤ کہ عصر کی نماز ادا کرنے کی نوبت منزلِ مقصود پر پہنچ کر آئے، یہ مقصد نہیں کہ ہر صورت میں نماز وہیں پہنچ کر پڑھو، چاہے نماز قضاء ہوجائے، اس جماعت نے اجتہاد کیا اور راستہ ہی میں نماز پڑھ لی، بعد میں حضورِ اقدس ﷺ کی خدمتِ اقدس میں یہ واقعہ بیان کیا گیا تو حضور ﷺ نے کسی پر ملامت نہیں فرمائی (بخاری)۔

مذکورہ بالا واقعہ میں ایک جماعت نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا اور بنوقریظہ پہنچنے سے پہلے نماز نہیں پڑھی، دوسری جماعت نے اجتہاد کیا اور اس کے بعد حدیث کی جو مراد انھیں سمجھ میں آئی اس پر عمل کیا اور وقت ہونے پر راستہ میں نماز پڑھ لی؛ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے کسی کو غلط نہیں کہا؛ بلکہ سب کی نماز کو درست قرار دیا۔ ان مختلف مسائل میں فقہاء اور مجتہدین کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے، اس کی نوعیت صحابہ ؓ کے درمیان اجتہاد کے نتیجے میں عمل کی مختلف شکلوں میں رونما ہونے والے اختلاف ہی کے مانند ہے، یہ اختلاف ایسا ہی ہے، جیسا کہ کسی پر جنگل یا تاریک رات میں قبلہ مشتبہ ہوجائے تو وہ شخص حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق غور وفکر اور تحری کے بعد اپنے غالب گمان کے مطابق سمتِ قبلہ کا تعین کرکے اس جہت میں نماز پڑھے، اگر مثلاً چند افراد ہوں اور ہر شخص اپنی فہم کی بنیاد پر سمتِ قبلہ کے تعین کے بعد مختلف جہتوں میں نماز ادا کریں، ان کے درمیان سمتِ قبلہ کے اس اختلاف کے باوجود از روئے حدیث سب کی نماز درست ہوجائے گی، یہی حال ائمہ کے اختلاف کا ہے کہ سب قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر اجتہاد کرتے ہیں؛ اس لیے اگر ان کے مابین اختلاف واقع ہو تو ماخذ ومرجع کے ایک ہی ہونے کی وجہ سے سب کا عمل صحیح کہلائے گا؛ البتہ مصیب کو دوہرا اجر ملے گا (ایک اصابت حق کا اور ایک سعی کا) اور مخطئ کو صرف ایک اجر ملے گا، روایت میں ہے: ''شرعی حکم لگانے والا کوشش کرتا ہے اور صحیح بات کو حاصل کرتا ہے تو اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے اور جب کوشش کرتا ہے اور اُس سے غلطی ہوجاتی ہے تو اس کو اِکہرا ثواب ملتا ہے'' (متفق علیہ، مشکوۃ: ۳۲۴) اس رواویت سے پتہ چلا کہ زیادہ ثواب کا حاصل ہونا یا کم ثواب کا حاصل ہونا بہرحال یہ ان کے عنداللہ مقبول ہونے کی علامت ہے؛ البتہ حق کس

کوحاصل ہے اس کا صحیح علم تو اللہ عزوجل کو ہے؛ لیکن ہر شخص نے صواب کو اور درستگی کو پانے کی انتھک کوشش کی ہے؛ اس لیے ہر شخص اپنے آپ کو حق پر کہہ سکتا ہے۔

فقہاء کے مابین اختلاف کی حقیقت وحیثیت

فقہاء کے مابین فروعی مسائل میں جو اختلاف واقع ہوا ہے، اس کے تعلق سے قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ ان کے درمیان یہ اختلاف جائز وناجائز اور حق وباطل کا ہے؟ یا اس اختلاف کی نوعیت محض اولیٰ، غیر اولیٰ اور راجح، مرجوح کی ہے، جب اکثر مسائل میں فقہاء کے مابین اس اختلاف کی حقیقت وحیثیت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واشگاف ہوتی ہے کہ اس اختلاف کی حیثیت افضل، غیر افضل راجح اور مرجوح سے زیادہ نہیں ہے، شاذ ونادر اور بہت ہی کم مسائل میں اس قسم کا اختلاف واقع ہوا ہے، اس اختلاف کی حقیقت ونوعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رقم طراز ہیں: ''فقہاء کے مابین اختلاف کی بیشتر صورتیں، بالخصوص وہ مسائل جن میں صحابہ ؓ کے اقوال دونوں جانب ہیں جیسے تکبیراتِ تشریق، تکبیراتِ عیدین اور احرام والے کا نکاح، ابن عباس ؓ وابن مسعود ؓ کا تشہد، آہستہ اور جہر کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا، آمین کہنا، اقامت کو جفت اور طاق کہنا اور اس کے مانند دیگر مسائل میں یہ اختلاف دو باتوں میں سے بہتر بات میں تھا، نفسِ مشروعیت میں ان کے مابین بالکل اختلاف نہ تھا'' (حجۃ اللہ البالغۃ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۱۷۰/۲) حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس توضیح وتصریح کی روشنی میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فقہاءِ مذاہب کے مابین اس اختلاف کا درجہ راجح، مرجوح، افضل اور غیر افضل سے بڑھ کر نہیں ہے۔

اختلافی مسائل میں صحابہؓ اور اسلاف کا مزاج وطریق

فروعی مسائل میں ائمہ کے درمیان اس اختلاف کی حیثیت محض افضل غیر افضل سے زیادہ نہیں ہے، اب یہ دیکھنا ہے کہ صحابہ وتابعین اور اسلافِ امت کا اس اختلاف کے بابت کیا مزاج ومذاق رہا ہے؟ کیا انھوں نے اولیٰ اور غیر اولیٰ کے اس اختلاف کو حق وباطل کا اختلاف قرار دے کر اس کو امت کے درمیان انتشار وافتراق کا سبب بننے دیا ہے؟ اور انھوں نے اسے آپس میں بحث ومناظرہ اور جدل ومناقشہ کا موضوع بنایا ہے؟ یا اس اختلاف کو معمولی اور محض بہتر وغیر بہتر کا

اختلاف گردان کر ایک دوسرے کے آراء کے احترام کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے؟ جب ہم صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور اسلاف کے حالات وواقعات کا تتبع کرتے ہیں تو ہمیں اس میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ لوگ اکثر وبیشتر مسائل میں آپس کے اس قسم کے اختلافِ آراء کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ نہایت درجہ ادب واحترام کا معاملہ کرتے تھے، اپنی آپسی ملاقاتوں میں اس معمولی اختلاف کو نظر انداز کر کے نہایت ہی خوش روی اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے، انھوں نے اس اختلاف کے بابت کبھی بھی ایک دوسرے پر زبانِ طعن دراز نہیں کی ہے، وہ اس بارے میں اس قدر فراخ دل اور وسعت پسند واقع ہوئے تھے کہ وہ لوگ نقطۂ نظر اس اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے؛ چونکہ وہ لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کا یہ اختلاف عین مقتضائے شریعت ہے؛ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صحابہ وتابعین کے اس اختلاف کے بابت ایک دوسرے کے ساتھ سلوک ورویہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں: ''صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں کچھ لوگ تو نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے، کچھ لوگ نہیں پڑھتے تھے، کچھ لوگ جہراً بسم اللہ پڑھتے تھے، کچھ لوگ سراً پڑھتے تھے، بعض حضرات فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے بعض حضرات نہیں پڑھتے تھے، بعض پچھنا لگانے، نکسیر اور قئی کو ناقضِ وضو مانتے تھے اور بعض نہیں مانتے تھے، بعض مَامَسَّتِ النَّارُ پر وضو کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے، بعض اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے، بعض نہیں کرتے تھے؛ مگر بایں ہمہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، خواہ وہ امام مالکی ہو یا اس کے علاوہ ہو؛ حالاں کہ مالکیہ نماز میں بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، اسی طرح ہارون رشید نے پچھنے لگوائے، پھر نیا وضو کیے بغیر نماز پڑھائی، امام مالکؒ نے ان کو فتوی دیا تھا کہ فصد لگوانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور اس کے پیچھے امام ابو یوسفؒ نے نماز پڑھی اور اس کا اعادہ نہیں کیا (حالاں کہ ان کے نزدیک بدن سے خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) اسی طرح امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ نکسیر آنے اور پچھنا لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؛ مگر جب ان سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص کے بدن سے خون نکلا اور اس نے وضو کیے بغیر نماز پڑھائی تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ''میں امام مالکؒ اور حضرت سعید بن مسیبؒ کے پیچھے نماز کیسے نہیں پڑھوں گا.؟، یہ بھی مروی ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ عیدین کی نماز پڑھاتے تھے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق بارہ تکبیریں کہتے تھے؛ کیوں کہ خلیفہ ہارون رشید کو اپنے دادا کی تکبیریں پسند تھیں، امام شافعیؒ نے

ایک مرتبہ امام ابوحنیفہؒ کی قبر کے قریب فجر کی نماز پڑھی تو قنوت نہ پڑھا، پوچھا گیا تو فرمایا کہ ''صاحب قبر کے ساتھ ادب کا معاملہ کرتے ہوئے میں نے ایسا کیا ہے'' اور آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ''ہم کبھی اہلِ عراق کے مذہب کی طرف اترتے ہیں۔'' (حجۃ اللہ البالغہ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۲/۱۴۷)

اس کے علاوہ صحابہ وتابعین اور اسلافِ امت کے بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ انھوں نے آپس کے اس اختلاف کے سلسلے میں نہایت کشادہ دلی، وسعتِ قلبی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہر کیا ہے؛ بلکہ وہ لوگ اس قسم کے اختلاف کو امت کے حق میں رحمت وبرکت قرار دیتے تھے اور اسے توسع اور فراخی کا باعث گردانتے تھے۔ امام سفیان ثوریؒ ایسے اختلافی مسائل کے بارے میں کہا کرتے تھے: ''یہ نہ کہو کہ علماء نے مسائل میں اختلاف کیا ہے؛ بلکہ یوں کہو کہ انھوں نے امت کے لیے توسع اور فراخی پیدا کی ہے'' (المیزان الکبری بحوالہ راہِ اعتدال: ۲۳) اسی طرح امام سیوطیؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اس بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ یوں کہا کرتے تھے: ''اگر اصحابِ محمد ﷺ میں اس طرح کے مسائل میں اختلاف نہ ہوتا تو مجھے اس بات سے خوشی نہ ہوتی؛ اس لیے کہ ان کے مابین اس طرح کا اختلاف نہ ہوتا تو رخصت اور وسعت نہ ہوتی'' (ردالمحتار زکریا: ۱/۱۶۸) ایسے ہی خطیب بغدادی نے اس تعلق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہارون رشید نے ایک مرتبہ امام مالکؒ سے یوں کہا تھا: میرا ارادہ ہے کہ پوری اسلامی سلطنت میں آپ کی ''موطا'' کی نقل روانہ کروں اور لوگوں کو اس کے مطابق عمل کرنے پر متفق کروں تو امام مالکؒ نے اس موقع سے یوں فرمایا تھا: امیر المؤمنین! ایسا نہ کیجیے! اور وہ شہروں میں پھیل گئے ہیں اور ہر ایک کا طریقہ چل پڑا ہے، ہارون رشید نے کہا: اے ابوعبداللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو توفیقِ ارزانی بخشیں!'' (حجۃ اللہ البالغۃ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۲/۶۱۰، ردالمحتار زکریا: ۱۶۸)

اختلافی مسائل کے بابت ہمارا رویہ کیا ہو؟

اس وقت امتِ مسلمہ کو آپسی اتحاد کی جس قدر شدید ضرورت ہے، شاید کسی دور میں رہی ہو، ایسے وقت میں چند جزوی مسائل کو لے کر گھر گھر انتشار وافتراق کا ماحول پیدا کرنا، امتِ مسلمہ کی صفوں میں پھوٹ ڈالنا، ان مسائل کو ایمان وکفر کا معیار قرار دے کر برادرانِ اسلام اور اکابرینِ امت کے حق میں تضلیل وتکفیر کا دروازہ کھولنا یہ وقت وحالات کے تقاضے کے بالکل

موافق نہیں ہے۔

آج امتِ مسلمہ جس طرح کے خطرات وحالات سے دوچار ہے، جس طرح دشمنانِ اسلام ہمیں لقمۂ تر بنالینے، اپنی فوجی، عسکری اور فکری یلغار کے ذریعہ ہمارے تانے بانے بکھیرنے، امت کے درمیان شقاق واختلاف کا ماحول پیدا کرنے اور اسلام اور اسلافِ امت اور ہمارے فقہی ذخیرہ وسرمایہ سے (جو قرآن وحدیث کے بعد اسی کی روشنی میں استخراج واستنباط شدہ زندگی کے تمام مسائل پر حاوی مجموعہ ہے، جو اسلام کا ایک نشانِ امتیاز ہے) سے ہماری وابستگی، تعلق اور اعتماد کو کمزور کرنے کی کوشش ہورہی ہے، اس نازک موقع پر ہونا تو یہ تھا کہ ہم اس قسم کے معمولی موضوعات کو بالکل نہ چھیڑتے؛ چوں کہ اس کی وجہ سے امت میں اتحاد کے بجائے اختلاف پیدا ہوگا، فاصلے سمیٹنے کے بجائے بڑھیں گے، دل جڑنے کے بجائے ٹوٹیں گے، اغیار تو چاہتے ہی یہی ہیں کہ کسی طرح ہمارا یہ اتحاد ٹوٹے اور وہ اچانک ہمارے یہ آپسی شقاق اور بکھراؤ سے فائدہ اٹھا کر چومکھی حملہ بول دیں؛ بلکہ ہماری غفلت ونادانی اور حالات کی نزاکت ودشواری کے عدمِ احساس نے یہ صورتِ حال اس وقت پیدا کردی ہے اور دشمن ہماری صفوں میں نفاق اور شقاق پیدا کرکے کسی حد تک اپنے ناپاک اور خطرناک عزائم میں کامیاب بھی ہوچکا ہے۔

اس وقت ہمارا طریقۂ کار یہ ہو کہ امت کو ان غیر اہم مباحث میں الجھانے کے بجائے امت کی توانائیوں اور ان کے وقت کے قیمتی سرمایہ کو ان کے حق میں ٹھوس اور تعمیری کاموں میں لگائیں، امت کی توجہ کو دینی حالت کی اصلاح، اعمال کی طرف دعوت، معاشرت ومعاملات کی درستگی اور غیر مسلموں میں پیغامِ حق وصداقت کو عام کرنے کی طرف مبذول کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیقِ ارزانی عطا کرے! (آمین)

❁ ❁ ❁